Book Depot
DEALERS
THE MALL LAHORE

# انوکھی مجلس

ایم عنایت

بچوں کے لئے دلچسپ کہانیوں کا با تصویر سلسلہ

جملہ حقوق محفوظ

# انوکھی مجلس

ایم عنایت

## فہرست مضامین


| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| انوکھی مجلس | ۳ |
| دُنیا کے مچھروں کا سالانہ جلسہ | ۱۱ |


قیمت ۴ر

سنہ ۱۹۴۹ء

# ٹکٹ سسٹم

## پیارے بچو!

آپ یہ سن کر خوش ہوں گے کہ ہم نے اپنی کتابیں نہایت کم قیمت یعنی صرف **ایک آنہ فی کتاب** فروخت کرنے کے لیے ایک نیا طریقہ جاری کیا ہے۔ جس کا نام ٹکٹ سسٹم ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ آپ بارہ آنے کے ٹکٹ بھیج کر ٹکٹ سسٹم کی ایک کاپی منگا لیجئے۔ اس میں چار ٹکٹ ہیں۔ ان کو ۱۲ آنے فی ٹکٹ کے حساب سے اپنے دوستوں میں فروخت کیجئے اس طرح آپ کو تین روپے وصول ہوں گے۔ یہ روپے اور چھ آنے محصول ڈاک آپ ہمیں بھیج دیجئے ہم آپ کو نہایت خوبصورت دلچسپ اور باتصویر بارہ کتابیں اور ان کے ساتھ ٹکٹ سسٹم کی چار کاپیاں ارسال کر دیں گے۔ کتابیں آپ خود رکھ لیجئے۔ اور کاپیاں ان دوستوں کو دیجئے۔ جنہوں نے آپ سے ٹکٹ خریدے۔ وہ اپنے اپنے ٹکٹ فروخت کر کے اسی طرح کتابیں منگا سکتے ہیں۔ اس طریق سے ہر بچہ کو بارہ آنے میں بارہ کتابیں ملتی رہیں گی اور یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

مینجر

# انوکھی مجلس

ابا جان کام تو کپڑے کا کرتے تھے - مگر سیاست میں بھی بہت دلچسپی لیتے تھے - میں ان دنوں نویں جماعت میں تھا سکول کے کام سے فارغ ہو کر اکثر دوکان پر چلا جاتا - اور نقد مال کی رسیدیں کاٹنے میں اباجی کا ہاتھ بٹاتا - ایک روز شام کو جب میں نے دوکان میں قدم رکھا تو بہت سے بڑے بڑے اشتہار میز پر پڑے پائے - ان کا مضمون یہ تھا

آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ جلسہ

بتاریخ ۱۵ مارچ ۴۰ء کو لاہور میں ہو رہا ہے

اس موقع پر ملک کے بہترین مقرر اور شعراء

حاضرین کو اپنے کلام سے محظوظ فرمائیں گے

اِس کے بعد ان تمام لڑکوں کی فہرست تھی۔ جو اس جلسہ میں تقریریں کرنے یا نظمیں پڑھنے میں حصہ لے رہے تھے۔ اسے دیکھ کر میرے دل میں ایک خیال پیدا ہوا اور میں دل ہی دل میں اِس پر غور کرنے لگا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" ابا جی نے مجھے خاموش دیکھ کر پوچھا۔ "میں اپنے محلے میں بچوں کی ایک مجلس قائم کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے اِن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اِن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ انہوں نے میری پیٹھ تھپکی اور بولے "ضرور۔ اِس قسم کے شوق بچپن ہی سے پیدا ہونے چاہئیں"

اتنا کہہ کر وہ اپنے کام میں لگ گئے۔ اور میں کپڑے کے تھان لپیٹنے لگا۔

اگلے روز میں نے یہ ذکر اپنے چند دوستوں سے کیا۔ وہ بہت خوش ہوئے اور بولے اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ اِس مجلس کی وجہ سے ہم میں اتفاق اور محبت بڑھے گی اور ہم مل جل کر اچھے کام کر سکیں گے۔

چند ہی روز میں بیس بچوں کی ایک مجلس قائم ہو گئی اور ہم نے اس کا نام انوکھی مجلس رکھا۔ اب اس کے ماہوار جلسے ہونے لگے۔ اور ممبروں کی تعداد بھی بڑھنے لگی۔ یہاں تک کہ سال کے آخر میں سو ہو گئی۔ یہ ایک اچھی خاصی تعداد تھی۔ ہم نے کوشش کی کہ یہ اس سے بھی بڑھ جائے۔ چنانچہ ایک اشتہار لکھ کر تمام سکولوں کے تختۂ اطلاع پر لگوا دیا اور یہ اعلان کیا کہ ہم اس مجلس کا سالانہ جلسہ بہار کی چھٹیوں میں کر رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ بہت اچھا نکلا۔ اور دو سو نئے بچے ہماری مجلس میں اور شریک ہو گئے۔ سالانہ جلسے میں لڑکوں نے اچھے اچھے مضمون پڑھے، نظمیں سنائیں اور نئی نئی معلومات کا حال بیان کیا۔ ساتھ ہی ہم نے کھیلوں اور دوڑوں کا مقابلہ کرایا اور اوّل، دوم و سوم آنے والوں کو انعامات دیئے۔

اب کیا تھا تمام شہر میں چرچا ہو گیا اور دُور دُور سے لڑکے ہماری مجلس میں حصہ لینے کے لئے آنے لگے۔ چنانچہ اگلے سال جب جلسہ ہوا تو تقریباً ایک ہزار لڑکے اس میں

شریک ہوئے اور وہ چہل پہل رہی کہ اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہ آئی تھی۔

جلسے کی شاندار کامیابی دیکھ کر مجھے ایک نئی بات سوجھی وہ یہ کہ اگلے سال دُنیا کے دوسرے بچوں کو بھی اِس جلسہ میں شامل ہونے کی دعوت دی جائے۔ وہ اپنے قومی اور ملکی لباس میں آئیں۔ اور ہمیں اپنے ملک کے بچوں سے متعلق حالات سنائیں۔ لیکن اس کی صورت کیا ہو۔ میں نے اپنے دل میں سوچا۔ اُن بچوں کو اطلاع کیوں کر دی جائے۔ اور اُنہیں یہ کس طرح بتایا جائے کہ ہم نے اپنے شہر میں بچوں کی ایک بہت بڑی مجلس قائم کر لی ہے۔ اور اس میں نہ صرف اپنے شہر کے بلکہ دوسرے شہروں کے بچے بھی شامل ہیں۔

کئی روز تک سوچتا رہا مگر کوئی ترکیب نہ سوجھی۔ بہت سے دوستوں سے بھی ذکر کیا۔ مگر کسی نے کوئی راستہ نہ بتایا۔ اِتفاق کی بات ایک شام ابا جی نے اپنے ایک دوست کو جو امریکہ سے آئے تھے چائے کی دعوت دی۔ شام کو جب

وہ آئے تو میں نے اُن سے اپنی مجلس کا ذکر کیا اور یہ بھی بتایا کہ میں دوسرے ملکوں کے بچوں سے بھی میل ملاپ قائم کرنا چاہتا ہوں۔ مگر اس کی کوئی ترکیب نہیں سوجھتی۔

"یہ کونسی مشکل بات ہے" اُنھوں نے پیالی اُٹھاتے ہوئے کہا۔ آپ ہر ملک میں اپنا ایک قلمی دوست بنا سکتے ہیں۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ پن فرینڈز ایسوسی ایشن نیویارک کے ممبر بن جایئے۔ اس کی معمولی سی فیس ہے۔ وہ آپ کو ہر ملک کے بہت سے بچوں کے پتے بھیجیں گے آپ اُن سے خط وکتابت کیجیئے۔ اپنی دلچسپیوں کا حال لکھئے اور دوست بنا لیجیئے۔

یہ سُن کر میرا دل خوشی کے مارے بلیوں اُچھلنے لگا۔ میں نے اُن کا شکریہ ادا کیا۔ اور چائے ختم ہوتے ہی اپنے کمرے میں پہنچا اور کاغذ قلم لے کر خط لکھنے بیٹھ گیا۔ چند دنوں کے بعد اُن کا جواب آیا۔ جس میں اُن کی شرطوں اور چندہ وغیرہ کا ذکر تھا۔ میں نے ان کا فارم بھرا اور اُسی روز چندہ بھیج دیا

انتظار خواہ کسی بات کا کیوں نہ ہو سخت تکلیف دیتا ہے مجھے یاد ہے کہ چندہ منی آرڈر کرنے کے بعد سات آٹھ دن میں نے کس بے چینی سے گزارے - دن میں کتنی کتنی بار لیٹر بکس کو دیکھا - آخر اُن کا لفافہ آیا اور میں خوشی سے پھولا نہ سمایا - اگلے روز ہی اپنی مجلس کا چھپا ہوا پیڈ اُٹھا کر عرب مصر، ترکی، روس، ہندوستان، انگلستان اور امریکہ کے لڑکوں کو خط لکھ ڈالے - یہ تمام خط میں نے انگریزی میں لکھے اور ٹائپ کر کے بھیجے کیونکہ آپا جی کے امریکن دوست نے بتایا تھا - کہ اس وقت دنیا میں انگریزی ہی ایک ایسی زبان ہے - جو تمام جگہ سمجھی جا سکتی ہے - خط لکھنے کے پورے پندرہ دن بعد مجھے کئی لفافے ہوائی ڈاک سے آئے - اور ان سب لڑکوں نے مجھے اپنا قلمی دوست بنانا منظور کر لیا اور یہ بھی لکھا کہ میں انہیں اپنا فوٹو بھیجوں اور اپنی مجلس کے حالات بھی لکھوں - خط و کتابت جاری رہی اور وہ سب میرے گہرے دوست بن گئے - میں نے انہیں بھی بچوں کی

مجلسیں قائم کرنے کا مشورہ دیا۔ اور انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ بہت جلد یہ کام شروع کر دیں گے۔ اُن کے خطوط برابر آتے رہے۔ اور میں بھی لکھتا رہا۔ وہ اپنے جلسوں کے حالات مجھے لکھتے اور میں انہیں۔ یہ حالات میں اپنی مجلس میں پڑھ کر سناتا اور اس طرح لڑکوں کی معلومات خوب بڑھتیں۔ ہوتے ہوتے سالانہ جلسہ کا موقعہ آپہنچا۔ ہماری مجلس نے فیصلہ کیا کہ باہر کے ملکوں میں بھی دعوت نامے بھیجے جائیں اور ان کے یہاں ٹھہرنے اور رہنے کا خرچ ہماری مجلس برداشت کرے ایک آنہ ماہوار چندے کی بدولت ہماری مجلس کے خزانے میں اس وقت کئی سو روپے کی رقم جمع تھی۔ چنانچہ ہمیں اس بات کی فکر تو نہ تھی کہ یہ خرچ ہم کیوں کر اٹھائیں گے۔ البتہ یہ خیال ضرور تھا۔ کہ ممکن ہے اتنی دُور سے آنا وہ پسند نہ کریں تاہم ہم نے ایک ایک چٹھی اُن تمام دوستوں کے نام بھیج دی اور انہیں یہ لکھ دیا کہ اگر آپ خود نہ آسکیں تو اپنے میں سے کسی اور کو چن کر بھیج دیں۔ ہماری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب چند

روانہ کے بعد اُن دوستوں نے ہمیں لکھ بھیجا کہ اپنی مجلس کی طرف سے وہ کسی نہ کسی کو ضرور بھیج دیں گے۔ یہ خبر آتے ہی ہم نے انتظامیہ کمیٹی کا ایک جلسہ بُلایا اور انہیں حالات کی اِطلاع دی اس کے بعد ہم سب سالانہ جلسہ کو زیادہ سے زیادہ بارونق بنانے کا کام بہت جوش سے کرنے لگے۔

---

فرصت کے وقت

فرنٹیر ایک آنہ لائبریری

کی کتابیں پڑھیے

فہرست مفت منگائیے

# دُنیا کے بچّوں

## کا

# سالانہ جلسہ

یکم مئی سے پہلے تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ ہمارے مہمان بھی آ پہنچے۔ ان کی خاطر تواضع کے لئے ایسے لڑکے مقرر کئے گئے جو اُن کی زبان سے کسی قدر واقف تھے۔ جو لڑکے روس اور جاپان سے آئے وہ انگریزی اچھی طرح سمجھ لیتے تھے۔ اس لئے ہمیں ان کی بات چیت سمجھنے اور اپنا مطلب سمجھانے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ طے یہ پایا کہ جلسے کی کارروائی اُردو زبان میں ہو اور اس کا چھپا ہوا انگریزی ترجمہ ان کو دے دیا جائے۔ تاکہ وہ بھی اس سے لطف اٹھا سکیں اور یہ جان سکیں کہ جلسہ میں کیا ہو رہا ہے۔

یکم مئی کو جلسہ میں بے شمار لڑکوں لڑکیوں اور بچّوں نے حصّہ لیا۔ جوان لڑکیوں کے لئے پردہ کا انتظام کیا گیا۔ اور وہ علیحدہ بیٹھیں

اس جلسہ کی صدارت بیگم رشید علی خاں وزیرِ تعلیم نے منظور فرمائی تھی چنانچہ وہ ٹھیک وقت پر تشریف لے آئیں اور جلسہ کی کارروائی تلاوتِ قرآن پاک سے شروع ہوئی۔ اس کے بعد تین ننھے بچوں نے نہایت پیاری آواز سے ایک نعت سنائی۔ پھر میں نے ۴۸ء کے سالانہ جلسہ کا حال پڑھا۔ پہلی تقریر مسٹر کے چاؤ کی تھی۔ یہ ایک جاپانی طالب علم تھے۔ انہوں نے ایک کھلا پاجامہ اور ہلکے زرد رنگ کا قمیص پہنا ہوا تھا۔ پاؤں میں کھڑاویں تھے۔ اور سر مشین سے منڈا ہوا تھا۔ وہ سٹیج پر آتے ہی جھکے اور لمبی سانس لی۔ یہ اُن کا سلام تھا۔ اِس کے بعد تقریریوں شروع ہوئی۔ ہمارے ملک کے بچے شروع ہی سے ماں باپ اور بڑوں کی عزت کرنا سیکھتے ہیں چھوٹی عمر میں انہیں پھولدار کپڑے پہنائے جاتے ہیں۔ بڑے ہوکر لڑکیاں تو وہی لباس رکھتی ہیں۔ لیکن لڑکوں کا لباس تبدیل ہو جاتا ہے مگر پھولوں سے ہمیں عمر بھر محبت رہتی ہے۔ بچپن ہی سے ہمیں محنتی اور دُکھ درد برداشت کرنے کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اِسی

لئے آپ ہمارے ملک کے بچوں کو تکلیف اور درد کے باوجود روتا ہوا نہ پائیں گے۔

گھر میں ہم سلیپر اور باہر کھڑاویں پہنتے ہیں بعض بچے بوٹ بھی استعمال میں لاتے ہیں۔ تین اور پانچ سال کی عمر میں بچے کو شکریہ ادا کرنے کے لئے مندر میں لے جاتے ہیں۔ ہمیں شروع سے یہ سکھایا جاتا ہے کہ ہم اپنے وطن کی خاطر جان قربان کرنے میں کبھی پیچھے نہ ہٹیں۔ بڑوں کے سامنے قہقہہ مار کر نہ ہنسیں اور ہر وقت اپنے آپ پر قابو رکھیں۔

ہمارا صبح کا ناشتہ چاول اور چائے ہے۔ چاول ہم تیلیوں سے کھاتے ہیں۔ اور ساتھ ساتھ چائے پیتے رہتے ہیں۔ چائے پیش کرنے اور بنانے کے بہت سے آداب ہیں۔ جو ہمیں سیکھنے پڑتے ہیں۔ ہم اپنے ملازموں سے نہایت تمیز سے بات چیت کرتے ہیں اور انہیں کبھی کوئی ایسی بات نہیں کہتے جس سے ان کا دل دکھے۔ دوپہر کے کھانے میں عام طور پر مچھلی چاول یا سبزی اور چاول ہوتے ہیں۔ شام کا کھانا بھی اسی قسم کا یا

اِس سے ذرا مختلف ہوتا ہے۔ رات کے کھانے سے فارغ ہو کر ہم کاغذ کی قندیل کے پاس بیٹھ جاتے ہیں اور گھر کا سب سے بڑا آدمی کہانی سناتا ہے۔ جب کہانی ختم ہو جاتی ہے تو ہم گدیلے بچھا کر لیٹ جاتے ہیں۔ ہمارے تکیے روئی کے نہیں بلکہ لکڑی کے ہوتے ہیں۔

ہمارے ملک میں میلوں کا بہت رواج ہے۔ ان میں سے دو بہت مشہور ہیں۔ تیسرے مہینے کے تیسرے دن لڑکیاں گڑیوں کا میلہ مناتی ہیں۔ تمام لڑکیاں پھول دار خوبصورت لباس پہنتی ہیں اور اپنی گڑیوں کو بھی اچھے اچھے کپڑے پہنا کر الماریوں میں سجاتی ہیں۔ اِس کے علاوہ وہ اپنی سہیلیوں کو تحفے کے طور پر گڑیاں پیش کرتی ہیں۔

لڑکوں کا میلہ پانچویں مہینے کے پانچویں دن ہوتا ہے۔ ہر لڑکا اپنے گھر کے سامنے ایک اونچا بانس گاڑ کر اس پر چمکدار رنگین کاغذ کی بڑی بڑی مچھلی کھڑی کر دیتا ہے۔ مچھلی اندر سے کھوکھلی ہوتی ہے اور ہوا کے ساتھ گھومتی رہتی ہے۔ اِس نشان سے

ہمارا مطلب یہ ہے کہ جس طرح مچھلی بہاؤ کے خلاف چڑھتی اور ہر طرح کی تکلیفیں برداشت کرتی ہے۔ اسی طرح ہمیں زندگی کے دکھوں اور مشکلوں کا مقابلہ کرتے ہوئے آگے بڑھنا چاہیئے۔ اس موقع پر دوکانیں بھی سجتی ہیں۔ لڑکے اپنی بہنوں کے لئے گڑیاں اور اپنے لئے جنگی جہاز، تلواریں، تیر، کمانیں اور ملک کے جرنیلوں اور بزرگوں کے بُت خریدتے ہیں۔ ایک کھلے میدان میں بچوں کی فرضی جنگ بھی دکھائی جاتی ہے۔

ہم پتنگ اڑانے کے بہت شوقین ہیں۔ لیکن یہ کھیل ہم میدانوں میں کھیلتے ہیں۔ ہمارے پتنگ بہت بڑے اور رنگ دار ہوتے ہیں اور اُن پر دیوتاؤں کی شکلیں اور ملکی بہادروں کے نام لکھے ہوتے ہیں۔ بعض پتنگوں پر مختلف جانوروں کی صورتیں بھی بنا دی جاتی ہیں۔

پڑھنا ہر جاپانی بچے کے لئے ضروری ہے۔ ہمارے سکول صاف ستھرے اور سجے ہوئے ہوتے ہیں۔ بچوں کو رنگوں سے تصویریں بنانا اور چھوٹے جنگی ہتھیاروں سے کھیلنا سکھایا جاتا ہے۔ ہم

لوگ کھیل کود میں بھی کبھی جھگڑا نہیں کرتے۔ استادوں کا بہت ادب کرتے ہیں۔ اور لکھنے کے لئے قلم کے بدلے برش استعمال کرتے ہیں۔ ہماری کتابیں بھی عمدہ چھپی ہوئی ہوتی ہیں اور ان میں جگہ جگہ رنگ دار تصویریں لگی ہوئی ہوتی ہیں۔ بچوں کو سزا بالکل نہیں دی جاتی بلکہ انہیں محبت اور پیار سے پڑھایا جاتا ہے۔ پڑھنے کے ساتھ ساتھ انہیں کوئی نہ کوئی ہنر بھی سکھایا جاتا ہے۔ تاکہ سکول سے فارغ ہو کر وہ اپنی روزی کما سکیں۔

اتنا کچھ کہنے کے بعد مسٹر کے چاؤ نے اپنی تقریر ختم کر دی۔ لڑکوں اور بچوں نے خوب تالیاں بجائیں اور خاموش ہو گئے۔

پروگرام کے مطابق دوسری تقریر مسٹر ایلاسکی کی تھی۔ یہ روس سے آئے تھے۔ ان کا لباس انگریزی تھا۔ یعنی کوٹ اور پتلون پہنے تھے۔ قمیض کا کالر سفید تھا۔ اور اس پر پھول دار نکٹائی لگی تھی جو خوبصورت معلوم ہوتی تھی۔ چہرا چوڑا اور بھرا ہوا تھا آنکھیں چمکدار اور بڑی بڑی تھیں۔ سر پر انگریزی بناوٹ کے بال تھے۔ گھونگھریالے بالوں کی وجہ سے مانگ نہ نکل سکتی تھی۔

انھوں نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے ہماری دعوت کا شکریہ ادا کیا۔ پھر بولے حضرات ہمارے ملک کی حکومت چونکہ دوسرے تمام ملکوں سے مختلف ہے۔ اس لئے وہاں بچوں کی تعلیم، ان کے کھیل کود وغیرہ بھی نئے طریق پر ہیں۔ ہمارے والدین حکومت کی مرضی کے مطابق اور اپنی قابلیت کے موافق کام کرتے ہیں۔ انہیں ہماری پرورش تعلیم اور بیاہ شادی کی کچھ فکر نہیں ہوتی۔ پیدا ہوتے ہی بچوں کو نرسریز (وہ جگہیں جہاں ننھے بچوں کو پالا جاتا ہے) میں بھیج دیا جاتا ہے۔ یہاں ہر چند بچوں کے لئے ایک دایہ مقرر ہوتی ہے۔ وہ انہیں وقت پر دودھ پلاتی، نہلاتی اور کپڑے بدلتی ہے۔ جب بچے چار برس کے ہوتے ہیں۔ تو انہیں ننھے بچوں کے سکولوں میں بھیج دیا جاتا ہے۔ یہاں وہ کھیل کود کے ذریعے بہت سی عادات حاصل کرتے ہیں۔ وہیں کھانے، پینے کھیلتے اور سوتے ہیں ان بچوں کے پڑھنے کے کمرے بہت خوبصورت ہوتے ہیں اور انہیں ایسے کھلونے دیئے جاتے ہیں۔ جن میں ان کا جی

لگے۔ یہاں ان بچوں کو اکٹھے بیٹھ کر کھانا مل کر کھیلنا اور کام کرنا سکھایا جاتا ہے۔ جب بچے اور بڑے ہو جاتے ہیں۔ تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ انہیں کس کس کام میں دلچسپی ہے۔ پس جس بچے کو جس کام کا شوق ہوتا ہے اسی میں اسے اعلیٰ تعلیم دی جاتی ہے۔ اور اس طرح یہ بچے ملک کے لئے اچھے شہری ثابت ہوتے ہیں۔

ہمارا ملک برفانی ہے۔ اس لئے ہمیں تمام سال گرم لباس پہننا پڑتا ہے۔ ننھے بچوں کو کھلے بازوؤں کے گرم قمیض پہناتے ہیں اور ان پر اونی دھاگے سے نہایت خوبصورت پھول بنے ہوتے ہیں۔ بچے سکولوں میں جہاں پڑھنا سیکھتے ہیں وہاں انہیں گانے اور ناچنے کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔

برفانی علاقے میں کھلے میدانوں کے کھیل مثلاً فٹ بال ہاکی اور کرکٹ نہیں کھیلے جا سکتے۔ تاہم ایسی جگہوں میں جہاں ٹھنڈ کی وجہ سے پانی جم جاتا ہے۔ ہم سکیٹ پہن کر ہاکی کھیلتے ہیں یہ کھیل اچھا خاصا مشکل ہے۔ اور بغیر مشق کے نہیں کھیل سکتے

کتوں کو جوت کر بغیر پہیوں کی گاڑیاں چلانا اور سکیٹ کے ذریعے اونچی نیچی ڈھلانوں پر دوڑنا ہمارے لئے دلچسپ کھیل ہیں۔ گاؤں کے بچے مچھلیاں پکڑنے اور ریچھ کے بچوں کو قابو میں لانے کی مشق کرتے ہیں۔

یونین کے صدر کی پیدائش کے روز اور فصل کٹ جانے کے بعد جشن منائے جاتے ہیں۔ ملک بھر میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ لوگ عمدہ لباس پہنتے ہیں۔ گھروں کو سجاتے اور ایک دوسرے کی دعوتیں کرتے ہیں۔ ان جشنوں میں بچے بوڑھے جوان مرد اور عورتیں سب حصہ لیتے ہیں۔"

یہاں پہنچ کر مسٹر ابالاسکی نے اپنی تقریر ختم کر دی اور پروگرام

روسی بچے بغیر پہیوں کی گاڑی چلا رہے ہیں

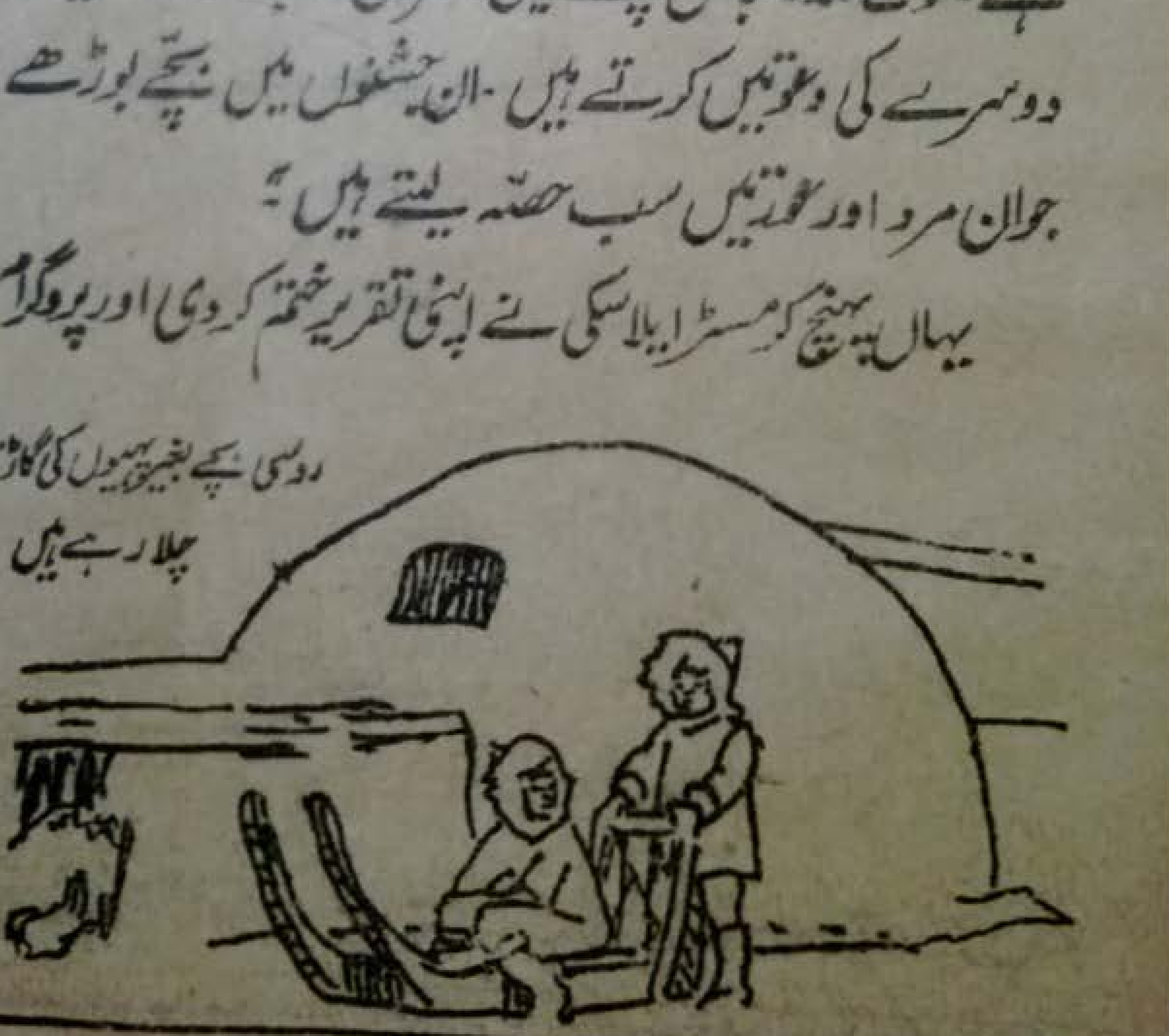

کے مطابق مسٹر جیمز سامنے آئے - یہ صاحب انگلستان کے طالب علم تھے - اور ان کا لباس انگریز بچوں جیسا تھا - سر ننگا بال بھورے - مانگ نکلی ہوئی - گلے میں کوٹ اور ٹائی - ٹانگوں میں نیکر اور جرابیں، پاؤں میں لوبوٹ - صاحبِ صدر کے قریب پہنچ کر وہ مائیکروفون کے سامنے کھڑے ہوئے اور کہا - " جنابِ صدر، دوستو اور سہیلیو! ہماری کوئی بات آپ سے چھپی نہیں - کیونکہ ہماری قوم یہاں تقریباً تین سو برس حکومت کرتی رہی تاہم میں مختصر طور پر کچھ نہ کچھ بتاؤں گا - ہمارے ملک میں چھوٹی عمر سے ہی بچے کی صحت کا خیال رکھا جاتا ہے - اِس لئے جو لوگ اپنے گھروں میں بچوں کی دیکھ بھال نہیں کر سکتے - وہ انہیں ہسپتالوں میں بھیج دیتے ہیں - جہاں وہ تین چار سال کی عمر تک رہتے ہیں - اس کے بعد انہیں کنڈر گارٹن سکولوں میں بھیج دیتے ہیں - جہاں وہ مختلف قسم کے کھیل کھیلتے ہیں - اور اسی طرح سے بہت سی باتیں سیکھ جاتے ہیں - ہمارے سکول نہایت صاف ستھرے اور سجے

ہوئے ہوتے ہیں ۔ کھڑکیوں میں پھولوں کے گلدان یا گملے رکھتے ہیں کتابوں میں بھی طرح طرح کی رنگ دار تصویریں ہوتی ہیں انہیں دیکھنے سے ہی سبق کی بہت سی باتیں سمجھ میں آجاتی ہیں ۔ چھوٹی جماعتوں میں گھر کے لئے کوئی کام نہیں دیا جاتا اور پہلی جماعت میں تو بچے کاغذ قلم دوات وغیرہ کچھ نہیں لاتے یہ سب چیزیں انہیں سکول سے ہی مل جاتی ہیں ۔ جب لڑکا بڑی جماعت میں پہنچتا ہے ۔ تو اُسے گھر آکر بھی کچھ نہ کچھ کام کرنا پڑتا ہے ۔ سکول کی کتابوں کے علاوہ ہم گھر پر بچوں کے رسالے ، اخبار اور قصے کہانیوں کی کتابیں بہت پڑھتے ہیں ۔ ہمیں بچپن سے وقت کی پابندی کرنا اور سچ بولنا سکھایا جاتا ہے سکولوں میں ہاکی ، فٹ بال اور کرکٹ کھیلنے کا ہمیں کافی موقع دیا جاتا ہے ۔ لیکن اس کے باوجود ہم گھر پر بھی کھیلتے ہیں مگر یہ کھیل صرف تفریحی ہوتے ہیں ۔ مثلاً لفظوں کا کھیل ، پتنگ اُڑانا ۔ گولیاں کھیلنا ۔ کیرم بورڈ ۔ سانپ اور سیڑھی وغیرہ ان کے علاوہ ہمارے دلچسپ مشغلے اور بھی ہیں کسی کو فوٹو کھینچنے

کا شوق ہوتا ہے۔ کسی کو مختلف ملکوں کے ٹکٹ یا سکے جمع کرنے کا۔ کوئی تیرنا سیکھتا ہے۔ اور کوئی مکا بازی۔

ہمارے گھروں میں ایک کمرہ صرف بچوں کے لئے ہوتا ہے یہاں ان کے کھلونے، گڑیاں اور دل بہلاوے کی اور بہت سی چیزیں جمع ہوتی ہیں۔ یہ چیزیں کچھ تو وہ اپنے جیب خرچ سے خریدتے ہیں۔ اور کچھ انہیں تحفہ تحائف میں ملتی ہیں۔ ہر تہوار یا میلے کے موقع پر ہمارے گھر کے لوگ، عزیز اور رشتہ دار ہمیں

انگریز بچے کھلونوں سے کھیل رہے ہیں

عمدہ قسم کی کتابیں اور کھلونے تحفہ کے طور پر دیتے ہیں اور اس طرح سے ہر بچے کے پاس ایک لائبریری بن جاتی ہے اور بہت سے کھلونے جمع ہو جاتے ہیں۔

ہمارے ملک میں یوں تو بہت سے تہوار اور جشن منائے جاتے ہیں۔ مگر ان میں سب سے مشہور کرسمس اور موسم بہار کے تہوار ہیں۔ دسمبر کے مہینے میں جب ہر طرف برف پڑتی ہے اور سڑکیں، مکان اور درخت سب سفید نظر آتے ہیں۔ تو یہ تہوار منایا جاتا ہے۔ بچے اپنے گھروں میں کرسمس کا درخت بناتے ہیں۔ اس پہ جگہ جگہ موم بتیاں لگائی جاتی ہیں اور اسے جھنڈیوں سے سجایا جاتا ہے۔ اس روز خوب دعوتیں ہوتی ہیں اور چائے کی پارٹیوں میں کرسمس کیک کا لطف اٹھایا جاتا ہے۔ بڑے اپنے سے چھوٹوں کو کھلونے کتابیں، گڑیاں اور مٹھائیاں دیتے ہیں اور چھوٹے اپنے دوستوں کو اسی قسم کی چیزیں پیش کرتے ہیں۔

دوسرا میلہ اس وقت مناتے ہیں جب بہار کا موسم آتا ہے

یہ موسم وہاں مئی میں ہوتا ہے۔ ہر طرف سبزہ اور پھول نظر آتے ہیں۔ دُھوپ نکلتی ہے اور ہر چیز خوبصورت معلوم ہوتی ہے ان دنوں لوگ باغوں میں نکل جاتے ہیں۔ اور دن بھر وہیں رہتے اور تفریح کرتے ہیں۔ انہی دنوں ایک میلہ بھی لگتا ہے جس میں مرد، عورتیں اور بچے نہایت خوبصورت لباس پہن کر شامل ہوتے ہیں۔ دکانیں بھی سجائی جاتی ہیں اور لوگوں کے دل بہلانے کے لئے طرح طرح کے سامان موجود ہوتے ہیں

میرا خیال ہے۔ مسٹر جیمز نے کہا۔ میرا وقت ہو چکا ہے۔ اس لئے میں اپنی تقریر ختم کرتا ہوں۔

لڑکوں نے خوب تالیاں بجائیں۔ اور اس کے بعد مسٹر جیمز نے پنڈت رام سروپ کا نام لے کر کہا کہ اب وہ اپنے خیالات آپ کے سامنے پیش کریں گے۔ پنڈت رام سروپ اپنی کرسی سے اُٹھ کر سامنے آئے ان کی عمر اندازاً پندرہ برس ہو گی۔ یہ ہندوستانی طالب علم تھے ململ کی ایک دھوتی، کھدر کا قمیض اور سر پر گاندھی ٹوپی ان کا مختصر سا لباس تھا۔ سب سے پہلے

اُنہوں نے ہماری مجلس کا شکریہ ادا کیا کہ ہم نے انہیں اپنے جلسہ میں شریک ہونے کا موقع دیا تھا۔ پھر بولے۔ ہمارے ملک میں بچے کو پانچ چھ برس تک کچھ نہیں سکھایا جاتا۔ کیوں کہ والدین یہ سمجھتے ہیں۔ کہ ابھی یہ پڑھنے کے قابل نہیں ہوا۔ اس کے بعد اسے پاٹ شالا میں بھیجتے ہیں جہاں وہ کئی سال میں مذہبی کتابوں کے متعلق کچھ شدھ بدھ حاصل کرتا ہے۔ اکثر بچے پاٹ شالہ میں نہیں بھیجے جاتے بلکہ شروع ہی سے مدرسوں میں داخل کرا دیئے جاتے ہیں۔ جہاں وہ ہندی کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ بچوں کو چھوٹی عمر ہی سے پوجا پاٹ۔ کفایت شعاری اور چھوت چھات کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ماں باپ اور بزرگوں کا بہت ادب کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بچے جب ان کے سامنے جاتے ہیں تو ان کے پاؤں چھوتے ہیں۔ ہم ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت جے ہند یا رام رام کہتے ہیں اور یہ بات ہم بہت چھوٹی عمر میں سیکھ لیتے ہیں۔ بچوں کے سکولوں میں جدید لوڈ ارا اور گلاس ٹری اگلیوا ایں میں واقع ہوتے ہیں۔ جبیح

سویرے بند ے ماتزم گایا جاتا ہے۔

چوتھی جماعت پاس کرنے کے بعد بچوں کو ہائی سکولوں میں داخل کراتے ہیں۔ جہاں وہ صرف کتابی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور فارغ ہونے کے بعد دفتروں میں کام کرنے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتے۔

تجارت ہمارے باپ دادا کا پیشہ ہے۔ اِس لئے کام کاج کرنے اور مفید کاموں میں روپیہ لگانے کا ذکر ہمارے گھروں میں اکثر ہوتا رہتا ہے۔ بچے بھی قریب بیٹھے سنتے رہتے ہیں۔ چنانچہ جب وُہ بڑے ہوتے ہیں تو کسی نہ کسی قسم کا کاروبار کرنا ہی پسند کرتے ہیں کھیل کود میں ہم بہت کم حصہ لیتے ہیں۔ کیونکہ سکول سے آنے کے بعد دکان پر باپوجی کے کام کاج میں ہاتھ بٹانا پڑتا ہے اِس طرح سے ہمیں دو فائدے ہوتے ہیں۔ ایک تو وقت اچھے کام میں لگتا ہے۔ دوسرے لین دین کرنا آجاتا ہے۔ پھر بھی جب موقع ملتا ہے۔ تو ہم ہاکی، فٹ بال اور کرکٹ وغیرہ کھیل لیتے ہیں پتنگ اُڑانا ہمارا دلچسپ کھیل ہے۔ لیکن اس کے لئے خاص

موسم مقرر ہے۔ اور اسی موسم میں ایک تہوار بھی منایا جاتا ہے۔ جس کا نام بسنت ہے۔ اس روز تمام لڑکے اور لڑکیاں زرد رنگ کا لباس پہنتے اور دن بھر پتنگ اُڑاتے ہیں۔ دیوالی اور دسہرہ ہمارے دو اور مشہور قومی تہوار ہیں۔ دیوالی کے موقع پر گھروں میں مٹھائی تقسیم کی جاتی ہے۔ دکانیں سجائی جاتی ہیں۔ اور مٹی کے کھلونے کثرت سے بکتے ہیں۔ دسہرہ کے روز ایک کھلے میدان میں مصنوعی طور پر لنکا بناتے ہیں اور اس میں راون کا بُت کھڑا کرتے ہیں۔ شام کو سورج ڈوبنے سے کچھ پہلے اُسے آگ لگا دی جاتی ہے۔ اور اس طرح سب کچھ جل کر بھسم ہو جاتا ہے۔ یہ میلہ اس واقعہ کی یاد میں ہے جب رام چندر جی نے راون پر فتح پائی تھی۔

یہ کہہ کر پنڈت رام سروپ صاحب اپنی جگہ واپس آ گئے۔ حاضرین نے تالیاں بجائیں اور خاموش ہو گئے۔ صدر صاحبہ نے کہا۔ اب جناب بشیر احمد صاحب آپ کو اپنے ملک کی تعلیم اور بچوں کے کچھ حالات سنائیں گے۔ آپ پاکستانی طالب علم ہیں۔

یہ سُن کر بشیر احمد صاحب حاضرین کے سامنے آ گئے۔ یہ بند گلے کا کوٹ، شلوار اور بوٹ پہنے تھے۔ سر پہ جناح کیپ تھی اور کوٹ کے بائیں جیب میں ایک سفید رومال خوبصورت دکھائی دے رہا تھا۔

اُنھوں نے کہا صدر صاحبہ، پیارے بھائیو! اور بہنو! یہاں کے بچّوں کا حال آپ کے سامنے ہے۔ لیکن ہماری مجلس میں چونکہ دوسروں ملکوں سے آئے ہوئے طلبا بھی شامل ہیں اس لئے میں مختصر طور پر کچھ نہ کچھ عرض کروں گا۔ ہمارے ہاں جب بچّہ پیدا ہوتا ہے۔ تو اس کے کان میں اذان کہی جاتی ہے۔ یعنی اُسے پیدا کرنے والے کے نام سے باخبر کیا جاتا ہے۔ عزیزوں اور رشتہ داروں میں مٹھائی تقسیم کی جاتی ہے۔

پانچ یا چھ برس کے بعد اُسے قریب کی کسی مسجد میں قرآن پاک پڑھنے کے لئے بٹھاتے ہیں۔ بعض بچّے شروع ہی سے مدرسے بھیجے جاتے ہیں۔ یہ سکول تنگ و تاریک گلیوں میں ہوتے ہیں یہاں کمروں میں روشنی اور دھوپ مشکل سے پہنچتی ہے۔ یہاں یہ

بچے حروف کو طوطے کی طرح رٹتے ہیں - اور اسی طرح سے گنتی بھی یاد کرائی جاتی ہے - یہ زمانہ بچے کے لئے بہت سخت ہوتا ہے - کیوں کہ استاد ان ننھے منے بچوں کو ذرا ذرا سی غلطی پر چھڑی سے سزا دیتے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے - کہ بہت سے بچے ڈر کے مارے مدرسے جانا بند کر دیتے ہیں اور پھر ہر طرح کی کوشش کے باوجود کبھی نہیں جاتے -

چوتھی جماعت پاس کرنے کے بعد لڑکا ہائی اسکول میں داخل ہوتا ہے - یہاں بھی اسے کسی دستکاری یا ہنر کی تعلیم نہیں ملتی - البتہ وہ مختلف زبانوں مثلاً انگریزی، فارسی اور عربی سے کسی قدر واقف ہو جاتا ہے - یہ لڑکے اپنے محلے کی گلیوں میں گولیاں، گلی ڈنڈا اور کبڈی کھیل کر اپنا شوق پورا کر لیتے ہیں - سکولوں میں ہاکی کرکٹ اور فٹ بال کھیلنے کا انتظام صرف چند لڑکوں کے لئے ہوتا ہے باقی اپنے دل بہلاوے کے سامان باہر پیدا کرتے ہیں - چھوٹی جماعتوں سے لے کر بڑی جماعتوں تک اُستاد ہی تعلیم دیتے ہیں - سکول کے کمرے کسی درجے

میں بھی سجے ہوئے نہیں ہوتے - اِس لئے سکولوں میں بچوں کا جی بہت کم لگتا ہے - اور وہ اکثر سکول جانے سے گھبراتے ہیں پتنگ بازی کا رواج یہاں بھی ہے - اور بسنت کے روز خوب اُڑائے جاتے ہیں - لیکن یہاں لڑکے اور لڑکیاں پیلے کپڑے نہیں پہنتے - لڑکیوں کے کھیل لڑکوں سے مختلف ہیں - وہ گڑیاں کھیلتی ہیں اور اپنا زیادہ وقت کھانا پکانے اور سینے پرونے میں خرچ کرتی ہیں - ان کے سکول بھی ہم سے علیحدہ ہیں - اور بچپن سے لے کر بڑے ہونے تک ہم الگ الگ سکولوں میں تعلیم پاتے ہیں -

عید اور شبِ برات ہمارے اِسلامی تہوار ہیں - عید کے روز بچے بوڑھے اور جوان کیا مرد اور کیا عورتیں سب نہایت خوبصورت لباس پہنتے ہیں - عزیزوں اور رشتہ داروں کے گھر سوّیاں بھیجتے ہیں - اور ان کے بچّوں کو عیدی دیتے ہیں - جو نقدی کی صورت میں ہوتی ہے - یہاں بچّوں کو کھلونے یا کتابیں دینے کا رواج قطعاً نہیں - نہ ابھی اُس کی طرف کسی نے

توجہ دلائی ہے نہ لوگوں کو خود سُوجھا ہے۔ شب برات
کے روز بچّے آتش بازی چلاتے ہیں۔ مذہبی لحاظ سے
یہ کام منع ہے۔ مگر ابھی اس کا رواج موجود ہے اور بچّے
تو کیا بڑے بھی اس میں حصہ لیتے ہیں۔ اس روز شام کو
ہر گھر میں حلوا پکایا جاتا ہے۔ اور امیر گھرانوں میں تو قسم قسم
کے حلوے تیار کئے جاتے ہیں۔ یہ کھانا بھی دوستوں اور
عزیزوں کے گھر تحفہ کے طور پر بھیجا جاتا ہے۔

۱۴ اگست کا روز ہمارے لئے بڑی خوشی کا دن ہے
کیونکہ اس روز جشنِ آزادی منایا جاتا ہے۔ بازاروں اور
دکانوں کو جھنڈیوں سے سجاتے ہیں۔ جگہ جگہ جلسے کئے
جاتے ہیں۔ حکومت غریبوں کو خیرات بانٹتی اور کپڑے
تقسیم کرتی ہے۔ رات کو گلی کوچوں اور بازاروں میں روشنی
کی جاتی ہے مختصر یہ کہ اس مبارک موقع پر زیادہ سے زیادہ
خوشی منائی جاتی ہے،،

بشیر احمد صاحب اپنی تقریر ختم کر کے سٹیج سے نیچے اُترے

تو خوب تالیاں بجیں۔ اس کے بعد بیگم صاحبہ اٹھیں اور فرمایا۔

پیارے بچو اور بچیو۔ آپ کے جلسہ کی کامیابی اور رونق دیکھ کر دل بہت خوش ہوا۔ آپ کے اس میل جول سے دونوں ملکوں میں اتفاق اور محبت کا پیدا ہونا یقینی ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ ہمارے ملک کی حکومت بچوں کے معاملات میں بہت جلد زیادہ دلچسپی لے گی اور وہ دن دُور نہیں جب ہمارے بچے بھی صاف ستھرے سکولوں میں تعلیم پائیں گے۔ اور ان کے کھیلنے کے لئے جگہ جگہ کھلے سرسبز میدان بنائے جائیں گے۔ آخر میں میں دُعا کرتی ہوں کہ آپ سب دُنیا میں خوب پھلیں پھولیں اور دُنیا بھر کے لئے امن کا باعث ہوں۔

اس تقریر کے بعد میں نے سٹیج پر کھڑے ہو کر بیگم صاحبہ غیر ملکی مہمانوں اور تمام بچوں کا شکریہ ادا کیا اور جلسہ برخاست ہوا

---

پبلشرز: ایم اکرام اللہ اڈیٹن روڈ لاہور

مطبوعہ: امرتسا الیکٹرک پریس ریلوے روڈ لاہور